آئیں، غلطی ثابت ہو گی، میں فوراً اس کو مان لوں گا۔ مگر مولوی صاحب نے براہِ مسافر نوازی کوئی غلطی تو ثابت نہ کی اور نہ مجھ کو اس کی اطلاع دی بلکہ اوّل ہی کفر کا حکم شائع فرمایا۔ اور تمام بریلی میں لوگ اس طرح کہتے پھرے۔ خیر میں نے خدا کے حوالہ کیا۔ اگر اس تحریر سے میں عند اللہ کافر ہوں، تو توبہ کرتا ہوں۔ خدا تعالےٰ قبول کرے۔ زیادہ نیاز۔ عاصی محمد احسن عفی عنہٗ "

ضمیمہ میں مصنف نے مولانا مملوک علی، مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم کے مختصر حالاتِ زندگی جمع کر دیئے ہیں۔

مصنف نے مولانا محمد احسن صاحب پر یہ کتاب لکھ کر ایک بڑی کمی پوری کر دی ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے تعارف میں بالکل صحیح فرمایا ہے:۔ مصنف نے "ایک ایسے بزرگ کے تذکرہ کو زندہ کیا جس کو زمانہ کی تاریخ نے یکسر فراموش کر دیا تھا ...."

کتاب کی کتابت اور طباعت اوسط درجے کی ہے، ضخامت ۲۸۰ صفحے اور قیمت چار روپے ہے۔
ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ عثمانیہ۔ ۲۸۰ پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی نمبر ۵۔ (م۔س)

مکتوبِ مدنی: شاہ ولی اللہ صاحب کے دَور میں اور اُس سے پہلے بھی صدیوں تک مسلمان اہلِ فکر اور بالخصوص صوفیہ میں وحدت الوجود کا مسئلہ بڑا اہم رہا ہے اور اسے تمام سوالوں میں سے سب سے بڑا سوال اور سب مسئلوں میں سے سب سے بڑا مسئلہ سمجھا جاتا رہا ہے۔

کائنات کا یہ معا کیا ہے؟ اور ہمارے گرد و پیش کی یہ دنیا کس طرح ظہور پذیر ہوئی؟ اِن حقائق پہ آزاد ذہن کے ساتھ غور و فکر کرنا اور اُن کو سمجھنا "وجودِ اصلی" کی حقیقت اور اُس کے تنزلات کا فلسفہ کہلاتا ہے۔ متاخرین صوفیہ میں سے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ اس فن کے امام تھے۔ شاہ ولی اللہ کی تربیت کرنے والوں میں سب سے پہلے آپ کے والد شاہ عبدالرحیم متوفی ۱۱۲۱ھ ہیں۔ موصوف ابنِ عربی کے اس فلسفہ کے ماہر اُستاد تھے۔ شاہ ولی اللہ بھی وحدت الوجود کے ماننے والے تھے اور اس کو اساس بنا کر شرائع الٰہیہ کی تشریح فرماتے تھے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے اس تصور وحدت الوجود کے خلاف امام ربانی مجدد الف ثانی نے وحدت شہود کی دعوت دی۔ شاہ ولی اللہ نے شیخ اکبر کے وحدت الوجود اور امام ربانی کے وحدت الشہود کے تصوراتِ توحید میں بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے اس کو رفع کیا اور دونوں کو اصلاً ایک ثابت کیا۔ شاہ صاحب نے "مکتوبِ مدنی"

میں اس مسئلے کو بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی صاحب نے شاہ صاحب کے اسی "مکتوبِ مدنی" کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، جو ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

شاہ صاحب کا یہ مکتوب آفندی اسماعیل بن عبداللہ الرومی ثم المدنی کے نام ہے، جنہوں نے شاہ صاحب سے "اس تصور کے بارے میں دریافت کیا تھا، جس کو شیخ اکبر اور اُن کے اتباع نے پیش کیا، اور وحدت شہود کی اس تشریح کی وضاحت چاہی تھی، جس کا ذکر مجدد الف ثانی نے کیا اور یہ بھی پوچھا تھا کہ آیا اِن دونوں بزرگوں کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے۔"

وحدت الوجود اور وحدت شہود کے مسئلوں کو محض خیال آرائی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اُس دور کے بزرگ اپنے خالی اوقات اِن میں صرف کرتے تھے۔ بلکہ ان مسئلوں کا عملی زندگی پر بھی اثر پڑتا تھا۔ وحدت الوجود کے عقیدے کا زور تمام موجودات کی اصل وحدت پر ہے، اور اس سے جہاں وحدت ادیان کی ایک حد تک تائید ہوتی تھی، وہاں عبد اور معبود اور مخلوق اور خالق میں دوئی اور غیریت کا بُعد کم ہوتا تھا، اس کے برخلاف وحدت شہود میں عبد اور معبود اور مخلوق اور خالق کی غیریت پر زیادہ زور ہے۔

شاہ صاحب نے شروع میں ایک درخت کو پہچاننے کے سلسلے میں چند اندھوں کی مثال دے کر بتایا ہے کہ آخر میں ایک دیکھنے والے نے اُن سے کہا: "تم سب درحقیقت صحیح کہتے ہو، غلطی فقط یہ ہے کہ تم نے اپنے اپنے مشاھدے میں حقیقت کو محصور سمجھ لیا ہے۔" پھر اس دیکھنے والے نے "اُن کے مشاھدات کی اس طرح تشریح کی اور ہر ہر قول کے محل و مقام کا اس طرح پتہ دیا کہ سب مطمئن ہو گئے۔" یہی دراصل تطبیق ہے۔ اور شاہ صاحب نے اس رسالے میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اس طرح تطبیق فرمائی ہے۔

اس ضمن میں اصل سوال یہ ہے کہ مخلوق اور خالق کا باہمی کیا تعلق ہے؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم جو اعراض مختلفہ کا ہدف و نشانہ ہے، اس کی تہہ میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے۔ جیسے شمع یا موم سے انسان، گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بنائی جائیں۔ یہ سب اگرچہ رنگ و روپ میں مختلف ہوں گی مگر مزاج و اصل کے لحاظ سے انہیں مختلف نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ ایک ہی قرار دیا جائے گا .... ہاں یہ البتہ صحیح ہے کہ ان کا اپنا کوئی وجود نہیں، کیوں کہ جب تک شمع یا موم سے ضمیمہ وجود مستعار نہ لیا جائے، ان کا عالم خارجی

یں تحقق ہی نہیں ہو پاتا۔ دوسرا گروہ حادث وقدیم کے مابین ربط وتعلق کو اس طرح استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ عالم دراصل اسماء وصفات کے ان عکوس وظلال سے تعبیر ہے کہ اعدام متقابلہ آئینوں میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں .... جب قدرت کی ضوفشانیاں عجز کے آئینے میں ہوں گی تو اس سے قدرت ممکنہ ظہور میں آجائے گی .... پہلا نقطۂ نظر وحدت الوجود کی ترجمانی کرتا ہے اور دوسرا وحدت الشہود کی "

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان دونوں نقطہ ہائے نظر میں اصلاً کوئی مغائرت نہیں "حقائق امکانیہ چونکہ شدید ضعف ونقص لئے ہوئے ہیں اور حقیقتِ وجودیہ ہی ایسی چیز ہے جو اتم واقوی ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے کہ یہ حقائق امکانیہ اعدام ہیں، جن میں کہ موجودات کی مختلف النوع صورتیں ارتسام پذیر ہوتی ہیں" مطلب یہ ہوا کہ حقیقت وجودیہ دراصل ایک ہی ہے، جو موجودات کی مختلف النوع صورتوں میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔

وحدت الوجود میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ انسان حقیقت جامعہ کی تلاش میں اس حد تک گم ہو جاتا ہے کہ اُس کے ہاں عالم رنگ وبُو اپنے تمام امتیازات کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے اور تفرقہ وامتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن پر خیر وشر کی معرفت کا دار ومدار ہے اور شرع وعقل جس کی پوری پوری نشان دہی کرتی ہے "

شاہ صاحب کے نزدیک یہ مقام محض عارضی ہے اور سالک یہاں چندے توقف کے بعد اس مقام سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ علم کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں رکھا ہے۔ اس لئے جو اس کی تکذیب کرتا ہے، وہ زندیق ہے۔ شریعت الٰہی اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے باہمی تعلق پر شاہ صاحب نے یوں بحث کی ہے، لکھتے ہیں:۔

"........ شریعتِ الٰہی کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ انسان کو انہی چیزوں کا مکلف گردانتی ہے جو پہلے سے اس کی فطرت میں موجود ہوں اور اس کی صورت نوعیہ کا ضروری تقاضا ہوں، چاہے یہ چیزیں علمی ہوں، چاہے عملی، اسی طرح شریعت کی گرفت ومحاسبہ بھی انہی اُمور سے متعلق ہے کہ جو انسانی فطرت کے ضمیر میں پہلے سے موجود ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔

فطرة اللہ التی فطر الناس علیھا۔ لا تبدیل لخلق اللہ (اللہ کی فطرت کہ جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین بدلنے والے نہیں)۔ حدیث میں ہے:۔ کل مولود یولد علی الفطرة (ہر ہر مولود کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے)"

اب جس طرح تکلیف و مکافات کا شعور انسان کی فطرت میں ہے، شاہ صاحب کے نزدیک "انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے کا جذبہ و میلان اسی طرح پایا جاتا ہے، جیسا کہ لوہے میں مقناطیس کی طرف کھنچنے اور سرکنے کی صلاحیت ہے یا جس طرح آگ کے شعلے اوپر کی طرف اُٹھتے ہیں ......"

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی کی تعبیرات میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ جہاں اوّل الذکر کے نزدیک حقائق ممکنات اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا دوسرا نام ہے، جیسا کہ یہ مرتبۂ علم میں تعین و وضوح کی کیفیتوں کے حامل ہوں۔ اس کے برخلاف حضرت مجدد کے خیال میں حقائق ممکنات اعدام ہیں، جن پر انوارِ حق اثر انداز ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب ان دونوں تعبیرات کی یوں تطبیق فرماتے ہیں:- "یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس و ظلال ہیں، جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، کسی طرح بھی شیخ ابن العربی کی تصریحات کے خلاف نہیں........... نیز حقائق ممکنات کو ان معنوں میں اسماء و صفات کے عین مترادف قرار دینا کہ وجود خارجی میں بہرحال ان کے عکوس و ظلال پائے جاتے ہیں، جنہیں اعیان ممکنات کہا جاتا ہے، کسی انداز سے بھی شیخ مجدد کی تصریحات کے منافی نہیں۔ اسی طرح اگر شیخ کے قول کو ہم یہ معنی پہنائیں کہ ہر صفت و اسم سالک کے لئے بمنزلہ رب اور مقصود و منزل کے ہے کہ جس کی طرف اس کے سعی و طلب کے قدم بڑھنا چاہئیں تو اس صورت میں بھی منافات و تعارض کا کوئی اندیشہ پایا نہیں جاتا۔"

حقائق ممکنات اور حق کے تعلق کو شاہ صاحب اس طرح سمجھاتے ہیں:- "صوفیاء جب یہ کہتے ہیں کہ "العالم عین الحق" تو اس سے اُن کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان وجودات خاصہ یا تعینات کی نفی کی جائے جو تنزل و ظہور کا نتیجہ ہیں۔ بلکہ وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حق نے اس آب و گل میں ظہور فرمایا۔ یعنی جس طرح ایک معقولی کہتا ہے کہ زید و عمر ایک ہیں، اور اس کا اشارہ تماثل نوعی کی طرف ہوتا ہے، مکمل اتحاد کی طرف نہیں، یا جب وہ یہ کہتا ہے کہ انسان اور گھوڑا ایک ہیں، تو وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان میں حیوانیت مشترک ہے...... ٹھیک اسی طرح اور انہی معنوں میں صوفیاء "العالم عین الحق" کہتے ہیں اور اس سے اُن کی غرض فقط یہ ہوتی ہے، اس وجود منبسط میں اور ہماری گرد و پیش پھیلی ہوئی اس وسیع تر حقیقت میں، جس نے کہ سارے عالم ہست و بود کا احاطہ کر رکھا ہے، حق کی جلوہ فرمائی ہے۔ اور یہ کہ وجود کی یہ نوعیت براہِ راست حق کے ساتھ وابستہ ہے........ ورنہ جہاں تک آثار و تعینات میں فرق و امتیاز کا تعلق ہے، ان میں کوئی بھی اس کی

نفی کی جرأت نہیں کرتا "

"مکتوبِ مدنی" میں شاہ صاحب نے "تجلی" کے مسئلے سے بھی بحث کی ہے۔ صفات عین ذات ہیں، یا زائد از ذات، متکلمین کے ہاں یہ مسئلہ بڑے شد و مد سے زیر بحث رہا ہے۔ شیخ ابن عربی کے نزدیک صفات عین واجب الوجود ہیں۔ شاہ صاحب اُس کے بارے میں فرماتے ہیں، "جہاں تک عقل و شعور کا تعلق ہے۔ اس کا فتویٰ یہی ہے کہ اُس کی ذاتِ گرامی سے آثار و نتائج کا برابر صدور ہوتا رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ صفات ذات سے الگ وجود رکھتی ہیں، تو اس کا کوئی تعلق عقل و خرد کے تقاضوں سے نہیں .... ممکن ہے کچھ لوگ اسے اہلِ سنت کا مذہب قرار دیں مگر ہمارا جواب یہی ہوگا کہ یہ صحیح نہیں " شاہ صاحب کے نزدیک اہلِ سنت سے مراد وہ قرون ہیں، جن کے خیر ہونے کی گواہی خود آنحضرت صلعم نے دی۔ باقی متاخرین کا وہ گروہ جو اہلِ سنت ہونے کا مدعی ہے، اُس نے صفات سے بحث کی ہے۔ "ہم ان سے اس باب میں اتفاق رائے نہیں رکھتے۔ ھُم رجالٌ ونحن رجال "

آگے چل کر وہ تجلی کے ذریعہ اس مسئلہ دقیق کی وضاحت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

"اور اگر تم مجھ سے صحیح صحیح بات دریافت کرو تو میں کہوں گا کہ جہاں تک ذات الٰہی کا تعلق ہے، وہ اس سے بالا و منزہ ہے کہ خارج یا اعیان میں پائی جائے۔ اس لئے کہ خارج تو خود نفس رحمان سے تعبیر ہے اور "اعیان" اس کی ذات پر دلالت کناں ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ اللہ تعالٰے کی ایک عظیم تجلی ہے، جس کا تعلق خارج سے ہے۔ اور اللہ تعالٰے کے بارے میں جب کہا جاتا ہے کہ وہ خارج میں یا عماء میں موجود ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایسی تجلی عظیم کے تحقق کے بعد خارج یا اعیان کو اپنے وجود سے نوازا ہے "

شاہ صاحب کی حکمت میں مسئلہ تجلی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم شاہ صاحب کی حکمت کے تعارف میں لکھتے ہیں: "شاہ ولی اللہ صاحب کے تصوف کا کمال یہ ہے کہ وہ مسئلہ تجلی کے ذریعہ سمجھا دیتے ہیں کہ انسان کس طرح واجب الوجود کی جو جسم سے منزہ اور مجرد ہے، بات سن سکتا اور اسے دیکھ سکتا ہے۔ واجب الوجود کی تجلی جس مظہر پر عکس ریز ہوتی ہے، وہ مظہر اس تجلی کے رنگ میں اس طرح رنگا جاتا ہے کہ یہ تجلی من وجہٍ واجب الوجود ہی کا عین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس مظہر کے واسطے سے جب ہم تجلی سے تعلق پیدا کرتے ہیں تو ہمارا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ ہم اللہ تک پہنچ گئے "

شیخ ابن عربی نے وحدت الوجود کے بیان میں کہیں تو یہ کہا ہے کہ تمام موجودات میں وجود مشترک ہے اور اگر یہ وجود نہ ہو تو موجودات ہی نہ ہوں۔ گویا یہ وجود عبارت ہے موجودات سے، اس سے ظاہر ہے خالق و مخلوق میں امتیاز کی نفی ہو جاتی ہے، لیکن کہیں کہیں وہ اس وجود کو جو اُن کے نزدیک عبارت ہے موجودات سے۔ ایک اور بہ تہ وجود کا فیضان قرار دیتے ہیں، اس سے وحدت وجود کا اثبات بھی ہوتا ہے۔ اور خالق و مخلوق کی غیریت اور دوئی بھی قائم رہتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے شیخ ابن عربی کے اس اوّل الذکر بیان پر گرفت کی تھی اور وجود کی اس طرح کی وحدت کی نفی کر کے وحدت شہود کا تصور پیش کیا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک بقول مولانا سندھی جب ابن عربی یہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کی ہر چیز واجب الوجود کی ایک لحاظ سے عین ہے، تو واجب الوجود سے اُن کی مراد نفس کلیہ ہوتی ہے، جو ذاتِ الٰہی کا ایک مرتبہ تنزل ہے۔ اس طرح وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی بنیادی تعارض نہیں رہتا۔

زیرِ نظر "مکتوب مدنی" کا موضوع انتہائی دقیق ہے۔ مولانا محمد حنیف صاحب کو اسے اُردو میں منتقل کرنے میں کافی محنت کرنا پڑی ہے۔ باوجود موضوع کی دقت اور پیچیدگی کے، ترجمے کی زبان صاف اور رواں ہے، اور ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، لیکن معلوم نہیں فاضل مترجم نے شروع میں کسی مقدمے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی۔ نیز جہاں جہاں وضاحت مطالب کے لئے حاشیئے انتہائی ضروری تھے۔ وہ بھی نہیں لکھے، کتاب میں تین چار جگہ ٹائپ کی بعض ایسی غلطیاں ہیں، جن سے خبط مطلب ہو جاتا ہے۔ اور عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ ضخامت ۳۶ صفحات، کتاب بڑی نفیس چھپی ہے، کاغذ اور ٹائپ بہت اچھا ہے۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے۔

(م۔ س)

◎

طابع: ظہیر الدین۔ مطبع: استقلال پریس لاہور۔
ناشر: ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، راولپنڈی۔